# غرناطہ اور قرطبہ
## مشاہدہ اور تاریخ کے آئینے میں

ریاض احمد

بڑے عرصہ سے یہ خواہش تھی کہ ملک سپین میں واقع مسلم تہذیب کے عظیم شاہکار شہروں قرطبہ اور غرناطہ کو دیکھا جائے لیکن کوئی موقع نہ مل سکا۔ ویسے بھی یہ شہر ملک پاکستان سے بہت دور براعظم یورپ میں واقع ہیں اور پاکستان سے اپنے خرچہ پر جانا بہت مشکل کام نظر آتا تھا۔ قدرت نے موقع فراہم کیا کہ میری پوسٹنگ جامعہ محمد الخامس رباط میں ہو گئی تو وہاں پہنچ کر میں نے اپریل ۱۹۹۲ء کی موسم بہار کی چھٹیوں میں یہ پروگرام بنایا اور ایک دن صبح میں بذریعہ ٹرین عازم طانجہ (Tangier) ہوا۔ تاکہ وہاں سے سپین جایا جائے۔ میرا یہ سفر خوشگوار رہا اور واپسی پر میں سبطہ کی طرف سے مراکش میں داخل ہوا اور تیطوان کی طرف سے ہوتے ہوئے واپس رباط آیا۔

ویسے تو مراکش کا زیادہ تر جغرافیہ بحرالکاہل کے کنارے پر واقع ہے اور پھر شمال کی جانب سے بحیرہ قلزم بھی اس کو لگتا ہے لیکن طانجہ کو اس ساحلی علاقے میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ طانجہ اس مقام پر واقع ہے جہاں بحرالکاہل اور بحیرہ قلزم آپس میں ملتے ہیں اس کے بالمقابل سپین کی بندرگاہ الجزیرہ (Algeras) ہے۔ الجزیرہ اور طانجہ کے درمیان ۱۴ کلومیٹر کا سمندری فاصلہ ہے۔ اس طرح مراکش اور اسپین کے درمیان صرف ۱۴ کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ طانجہ سے میں الجزیرہ بذریعہ بحری جہاز (Ferry) گیا اور وہاں سے میں نے غرناطہ کے لئے بس پکڑی اور رات تقریباً ۱۲ بجے غرناطہ پہنچ گیا۔ دو دن غرناطہ میں قیام کرنے کے بعد عازم قرطبہ ہوا وہاں بھی ۲ دن گزارے واپسی پر میں بذریعہ ملاگا (Malaga) الجزیرہ' وہاں سے بذریعہ بحری جہاز (Ferry) سبطہ (Seubta) آئے سبطہ اگرچہ آجکل سپین کی ایک بندرگاہ ہے لیکن جغرافیائی اور تاریخی لحاظ سے یہ مراکش کا علاقہ ہے۔ بہرحال اس کو ڈیوٹی فری زون سپین نے بنایا ہوا ہے جہاں سے دنیا کے تقریباً ہر علاقے کا مال بکتا

ہے اور یورپ اور مراکش کے لوگ اس سے مستفید ہوتے ہیں لیکن زیادہ تر فائدہ اس کا سپین کو ہے کیونکہ سپین کا مال اس منڈی میں زیادہ بکتا ہے۔ یہ اسی طرح کا حال پشاور سے باڑا جایا جائے اور دنیا کی ہر چیز حاصل کریں بلکہ اس سے بھی بہتر۔ باڑا کو تو کوئی قانونی تحفظ حاصل نہیں لیکن سبطہ کو قانونی تحفظ حاصل ہے۔

طانجہ ساحل سمندر پر واقع وہ تاریخی شہر ہے جہاں سے عظیم مسلم جرنیل طارق بن زیاد نے سپین فتح کیا۔ دراصل خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں جس طرح اسلامی سلطنت کے مشرقی علاقوں کے والی حجاج بن یوسف تھے اور ان کی زیر ہدایت محمد بن قاسم نے ۷۱۱ء میں جنوبی پاکستان یعنی سندھ اور ملتان کو فتح کر کے بین الاقوامی اسلامی سلطنت کا حصہ بنا دیا اسی طرح مغربی علاقوں کے والی موسیٰ بن نصیر تھے۔[۱] ان کی ہدایت کے مطابق طارق بن زیاد (جو عامل طانجہ تھا) نے سپین کو فتح کر کے اسلامی سلطنت کا حصہ بنا دیا۔ آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل میں اگر پاکستان عظیم اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور کی بین الاقوامی اسلامی ریاست کا مشرقی بارڈر تھا تو یقیناً مراکش اور سپین اس سلطنت کا مغربی بارڈر تھے۔ پاکستان اور مراکش کے درمیان آج تقریباً پچاس ملک محیط ہیں جو اس وقت صرف ایک اسلامی سلطنت کا حصہ تھے۔ طارق بن زیاد نے جب اسپین کو فتح کیا تو طانجہ کو ہی اپنا دارالخلافہ بنائے رکھا۔ اس کے بعد کے دور میں دارالخلافہ بدل کر غرناطہ ہو گیا۔ غرناطہ کو دارالخلافہ بنانے میں اموی خلیفہ معاویہ ثانی کے بیٹے عبدالرحمٰن اول کا زیادہ حصہ ہے۔ ہوا یوں کہ جب عباسیوں کے ہاتھوں اموی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ تو عبدالرحمٰن بھاگ کر سپین آ گیا کیونکہ شام کے عرب امراء سپین کے مختلف علاقوں کے امراء تھے۔ انہوں نے عبدالرحمٰن کو آنے کی دعوت دی اور اس کے آنے پر اس کو اپنا سربراہ بنا لیا۔ اس طرح عباسیوں کے دور میں سپین پر اموی حکمران حکومت کرتے رہے اور بعد میں انہوں نے اپنی علیحدہ خلافت کی بنیاد ڈالی۔ اگرچہ بعد کے دور میں سپین اسلامی تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا لیکن سیاسی لحاظ سے اس نے اپنے آپ کو علیحدہ رکھا۔ اور یہی علیحدگی شاید باعث بنی کہ جب اس پر پندرھویں صدی کے آخر میں یورپ کے عیسائی بادشاہوں نے متحدہ یلغار کی تو اس کی فریاد کو کوئی نہ آ سکا۔ ویسے بھی پندرھویں صدی کا دور مسلمانوں میں سیاسی انتشار کے لحاظ سے مشہور ہے۔ کیونکہ عباسی خلافت تیرھویں صدی عیسوی میں ختم ہو چکی تھی۔ ابھی تک عثمانی خلافت وجود میں نہ آئی تھی۔ پاکستان اور ہند کے مسلم حکمران بھی کمزور تھے اور مغل سلطنت کی بنیاد ابھی نہیں پڑی تھی۔ سولھویں صدی کے اوائل میں جب مسلمانوں میں سیاسی استحکام پیدا ہوا یعنی ترک عثمانی خلافت نے استنبول

میں زور پکڑا اور پاکستان اور ہند میں مغل دور حکومت کا آغاز ہوا۔ تو وہ بھی سپین پر عیسائی یلغار کی طرف توجہ نہ دے سکے کیونکہ مسلمانوں کی یہ دونوں عظیم سلطنتیں اپنے پاؤں جمانے کے لئے اپنے اپنے علاقوں کی بغاوتوں کو کچلنے میں مصروف تھیں۔ اگرچہ عثمانی سلطنت نے یورپ اور شمالی افریقہ کے کافی علاقے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لئے لیکن سپین پر دوبارہ قبضہ کرنے میں ناکام رہے اس طرح سپین کا اسلامی تشخص ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسخ ہو گیا۔

غرناطہ کی جامع مسجد اپنے دور کی عظیم جامعہ مسجد تھی۔ یہ مسجد ۸۰۰ پتھر کے ستونوں پر کھڑی ہے۔ محراب اور منبر بہت خوبصورت ہیں ان کے اوپر تحریر کردہ قرآنی آیات آج بھی عربی خط میں پڑھی جا سکتی ہیں اس مسجد سے بہتر آج تک دنیا میں کوئی مسجد نہیں بنائی جا سکی۔ تاہم مدینہ منورہ میں روضہ رسول ﷺ کی مسجد میں سعودی حکومت اسی طرز کے ڈیزائن پر تعمیر کروانے کی کوشش کر رہی ہے۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ سولھویں صدی کے اوائل میں عیسائی بادشاہوں نے اس شہر کے درمیان میں ۱/۴ حصہ کو عیسائی گرجا میں منتقل کر دیا حضرت عیسیٰؑ اور مریمؑ کے بت اس کے اطراف میں کھڑے کر دیئے اور مسلمان آج تک بے بس نظر آتے ہیں کہ وہ اس چرچ کے زبردستی قبضہ سے اس مسجد کو آزاد کروا سکیں۔ اگرچہ یورپی اقوام کی فراخ دلی کی بہت داستانیں سنتے ہیں لیکن غرناطہ کی جامع مسجد میں چرچ دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ عیسائی کس حد تک لبرل خیال ہیں؟۔ یہاں تو ان کی کم ظرفی کی انتہا نظر آتی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے اپنے ظلم و جبر کو اسلامی سپین کے مسلم عوام پر اس حد تک مسلط کر دیا کہ مسلمانوں کو اختیار دیا گیا کہ اگر وہ زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ان کے لئے لازمی ہے کہ وہ عیسائی مذہب قبول کریں۔ ورنہ ان کو قتل کر دیا جاتا' یا پھانسی دے دی جاتی' یا پھر سینکڑوں کی تعداد میں مسلمانوں کو ایک ہی کمرہ میں بند کر کے تالہ لگا دیا جاتا اور ان کی ہوا پانی بند کر دیا جاتا۔ اس میں مسلمان سسک کر چیخ و پکار کر کے مرجاتے اور ان کی چیخ و پکار کو کوئی مسلمان ملک نہ سن پاتا مزید برآں عوام کی عبرت کے لئے بڑے بڑے مسلم امرا اور حکمرانوں کو اذیت ناک سزائیں دے کر مارا جاتا۔ اس کی ایک مثال آج بھی غرناطہ میں موجود ہے۔ شہر کے قریب کوئی دو فرلانگ کے فاصلہ پر ایک میدان (سٹیڈیم) بنا ہوا ہے جس کے نیچے تہہ خانہ ہے اور چاروں طرف تین منزلہ عمارت ہے اس عمارت میں تمام منزلوں پر شہر کے عیسائیوں کو اکٹھا کیا جاتا اور میدان میں مسلم امرا پابند سلاسل کو اکٹھا کیا جاتا اور ان پر شیر چھوڑے جاتے۔ اس طرح شیروں کے ہاتھوں نہتے مسلمانوں کو عبرتناک طریقہ سے لقمہ اجل بنا دیا

جاتا۔ یورپ کی سرزمین پر سپین ظلم و ستم کی عظیم داستان بن گیا۔ جس کی فریاد کو سننے والا کوئی نہ تھا۔

مشہور انگریز مورخ برنارڈ لیوس (Bernard Lewis) نے اپنی کتاب میں سولہویں صدی میں مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنانے کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔[۲] ایک اور مورخ کے مطابق یورپ کی تمام عیسائی سلطنتوں کو سپین سے مسلمانوں کو مارنے، نکالنے میں تقریباً ایک سو سال لگا۔[۳] لاکھوں کو مروایا گیا اور لاکھوں کو ملک بدر کر دیا گیا۔ ایک دفعہ تو ۸ لاکھ مسلمانوں کو بحری جہازوں پر لاد کر ساحل افریقہ پر چھوڑ گئے۔[۴] اگرچہ بعض فنون کو لے کر یورپی اقوام آگے بڑھیں لیکن پھر بھی:

The arts and manufacturers which were carried by them to such perfection languished and almost disappeared[5]

(ترجمہ :- وہ فنون جن کو مسلمانوں نے انتہائی کمال تک پہنچایا وہ آہستہ آہستہ ختم ہو گئے)

۱۶۱۰ء تک سپین کو مکمل طور پر عیسائی بنا دیا گیا۔[۶] قرطبہ کی جامع مسجد کو عبدالرحمٰن اول نے ۷۸۶ھ میں تعمیر کروایا اگرچہ اس کی توسیع بعد میں عبدالرحمٰن دوئم اور عبدالرحمٰن سوئم نے کی۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ۱۴۹۲ء میں جب سپین کی اسلامی سلطنت کا خاتمہ ہوا تو ۱۵۲۳ء میں عیسائی بادشاہ چارلس پنجم نے اس مسجد کے مرکزی حصہ کو عیسائی چرچ میں تبدیل کرنے کے کام کا آغاز کیا مسجد کو گرایا نہیں گیا بلکہ اس کی تعمیر شدہ عمارت میں ہی تبدیلی کر کے مرکز میں چرچ بنا دیا گیا اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی شبیہات شمالاً" جنوباً" آویزاں کر دی گئیں۔ اس طرح مسجد کے تقدس کو پامال کر دیا گیا۔ عبدالرحمٰن اول نے تو مسجد کے ایک حصہ کو ایک سال میں ہی مکمل کروا دیا تھا۔ لیکن عیسائیوں کو مسجد کے درمیانی حصے کو چرچ میں تبدیل کرنے کے لئے بھی تقریباً اڑھائی سو سال لگے۔ اس طرح اٹھارھویں صدی میں آ کر مسجد کا ایک حصہ میں چرچ مکمل ہو سکا۔ مقابلہ بازی کی یہ دوڑ چلتی رہی۔ مسلم تہذیب کو نیچا اور ذلیل کرنے کی یہ انتہا تھی۔

عیسائی مورخ مسجد کو چرچ میں تبدیل کرنے کا یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن اول نے جب قرطبہ فتح کیا تو اس وقت مسجد کی جگہ پر چرچ تھا اور چرچ کی جگہ کو زبردستی مسجد میں تبدیل کر دیا۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ دراصل جب عبدالرحمٰن یہاں آیا تو یہاں عیسائی چرچ گر چکا تھا اور عیسائی پادریوں نے چرچ کی اس زمین کو عبدالرحمٰن کے ہاتھوں بیچ دیا تھا۔ عبدالرحمٰن نے جگہ کی قیمت ادا کرنے کے بعد یہاں پر مسجد

تعمیر کروائی۔[7] عیسائیوں نے نہ صرف مسجد کے اندرونی حصہ کے تقدس کو پامال کیا بلکہ مسجد کے بڑے مینار کے اوپر کے حصہ کو گرا کر تبدیلی کی اور اس میں چرچ کی گھنٹیاں لگوا دیں اس کے بعد سپین کے دیگر اسلامی شہروں میں مثلاً اذان بند کروا کے چرچ کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ اس کے بعد سپین کے دیگر اسلامی شہروں مثلاً اشبیلیہ (Sevilla) اور دوسرے شہروں میں اس انداز سے مسجدوں کو چرچوں میں تبدیل کر دیا گیا۔

عیسائیوں نے اپنی روایتوں کے مطابق یہ اس لئے کیا کہ مسلمان اور عیسائی تہذیب کو مکس (Mix) کر کے نئی تہذیب کا آغاز کیا جا سکے جسے وہ تحریک احیائے علوم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔[8] اس نظریہ کی مذہبی مثال تو قرطبہ پیش کر رہا ہے۔ شاہی طرز زندگی کے لحاظ سے اس کی بہترین مثال غرناطہ کا الحمرا ہے۔

الحمرا پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے۔ بہترین محلات ہیں جو کہ آج بھی اپنی عظمت کا شاہکار ہیں۔ یورپی اور امریکی ماہرین تعمیرات بار بار اس فن تعمیر کا مطالعہ کرتے ہیں پھر بھی ان کی تسلی نہیں ہوتی۔ ایک ٹیم کے بعد جب دوسری ٹیم اس کا مطالعہ کرنے کے لئے آتی ہے تو اس کی رائے پہلے سے قدرے مختلف ہوتی ہے۔ یہ حیران کن فن تعمیر ہے جس کے کمروں کے اندر قدرتی روشنی اور اندھیروں کے طریق کو اس طرح آپس میں سمو دیا گیا ہے کہ انسان کی طبیعت ہشاش بشاش رہتی ہے۔ بوریت ختم ہو جاتی ہے۔

الحمرا دراصل ۱۶ عمارتوں کا مجموعہ ہے جس میں سے ۷ محل ہیں اور باقی فوجی چھاؤنی' ملازموں کے لئے یا عوامی انصاف اور دیگر کاموں کے لئے استعمال کی جاتیں۔ اگرچہ یہ شہر بھی آٹھویں صدی عیسوی میں فتح ہو کر مسلم حکمرانوں کے زیر کمان آ چکا تھا لیکن اس کے موجودہ محلات میں سے پہلا محل محمد بن الاحمر نے ۱۲۳۸ء میں تعمیر کروایا دوسرا عبداللہ بن الاحمر نے' تیسرا اسمٰعیل نے باقی محلات کا زیادہ تر حصہ یوسف اول اور محمد پنجم نے تعمیر کروایا۔ یہ محلات پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہیں اس پہاڑ کے ساتھ نیچے چھوٹی پہاڑی ہے جس پر شہر تعمیر کروایا گیا۔ اس شہر کا طرز تعمیر قرطبہ کے شہر سے ملتا جلتا ہے۔ تنگ گلیاں لیکن پکی چھوٹی پتھر کی اینٹوں سے گلیوں کو تعمیر کیا گیا بہترین نالیوں کا نظام (Drainage System) بنایا گیا۔ یہ تمام طرز تعمیر قرطبہ سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ ۱۴۹۲ء میں عیسائی بادشاہ نے اس کو فتح کیا تو اس نے ان محلات کو اپنی رہائش کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا۔ چارلس پنجم نے ۱۵۲۶ء میں جب پرتگالی ملکہ اسابل (Isabel) سے شادی کی تو اس نے ایک نیا محل الحمرا میں تعمیر کروانے کا پروگرام بنایا لیکن رقم کی کمیابی کی وجہ سے وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ۱۵۸۱ء میں فلپ دوئم نے کافی رقم اکٹھی کی اور کچھ اضافے کئے۔ آسٹروی (Austrian) بادشاہ

بھی ان محلات پر آنکھ لگائے بیٹھے تھے۔ فرڈیننڈ ششم نے ۱۷۵۰ء میں اور بعد میں چارلس سوئم اور چہارم نے خاص ٹیکس لگا کر اس میں اضافے کئے۔ خاص طور سے باب انصاف کے قریب مسلمان بادشاہوں کی مورتیاں بنوا کر ان کے منہ سے بہتا ہوا پانی کے مجسمے انہوں نے تعمیر کروائے۔ جس کا مقصد تھا کہ اب Renaissance یعنی تحریک احیائے علم شروع ہو چکی ہے اور مسلمانوں کا دور ختم ہو گیا۔ ان مجسموں کے منہ سے بہتا ہوا پانی اور پھر ان کے سروں پر دو بچوں کے ہاتھوں پانی کا گرانا مسلمان حکمرانوں کی تذلیل کا منہ بولتا ہوا ثبوت ہے۔

اٹھارھویں صدی اور اوائل ۱۹ ویں صدی میں یورپ میں سیاسی بحران رہا۔ بادشاہوں کے خلاف ہر طرف آواز بلند ہوئی اور عوامی حقوق کی ایک لہر یورپ پر چھا گئی۔ یہ بھی ان تحریروں کی بنا پر تھا جو کہ مسلم فقہاء کی عربی کتابوں کے لاطینی اور دیگر یورپی زبانوں میں تراجم سے شروع ہوا۔ اس طرح جب مسلمان علوم یورپی زبانوں میں منتقل ہوئے تو عیسائی عوام نے اپنے مذہب کے خلاف بغاوت کر دی اور پوپ کی چودراہٹ (Authority) کے خلاف کام شروع کر دیا۔ ہر ملک نے اپنا علیحدہ چرچ بنا لیا۔ فرانس نے علیحدہ، جرمنی نے علیحدہ اور انگلستان نے علیحدہ۔ اس طرح عیسائی مذہب سے بیگانگی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہر ایک نے اپنا علیحدہ ملک اور چرچ بنا لیا۔ یہ تو اوپر کے طبقہ میں ہوا۔ نچلے طبقہ میں مفکرین نے عوام کے بادشاہوں کے مقابلے میں مساوی حقوق کی لہر شروع کر دی۔ اس کا سب سے بڑا شاہکار انقلاب فرانس تھا جو اٹھارھویں صدی کے آخر میں ہوا جو شروع انیسویں صدی تک رہا۔ انقلاب فرانس کا سب سے بڑا لیڈر نپولین ابھرا جس نے تمام یورپ کے بادشاہوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ نپولین اول کی فوجوں نے الحمرا کے محلات اور عمارات پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸۱۲ء میں جب نپولین کی فوجیں یہیں سے جانے لگیں تو انہوں نے تمام میناروں کو بارود سے اڑانے کی کوشش کی لیکن ایک ہسپانوی سپاہی کی جرات نے میناروں کو تباہی سے بچا لیا یعنی اس نے خفیہ طور پر فیوز کاٹ دیا۔ جس سے بارود چل نہ سکا اس طرح یہ قیمتی ورثہ تباہی سے بچ گیا۔

۱۸۶۸ء سے جدید سپین کی حکومت الحمرا کے محلات کی دیکھ بھال کے لئے خاص انتظامات کر رہی ہے اور کافی رقم خرچ کرتی ہے۔ دسمبر ۱۹۸۵ء سے تو ایک الگ محکمہ بعنوان Patronato de la Al-hamray generalife الحمرا کے محلات کی اچھی طرح سے دیکھ بھال کر رہا ہے۔ اس محکمہ نے ۱۹۹۲ء کی اسلامی سپین پر نمائش میں بھی تمام بین الاقوامی تنظیموں کا ساتھ دے کر الحمرا میں عظیم نمائش کا اہتمام کیا دنیا کے تمام

عجائب گھروں سے اسلامی سپین کے نمونوں کو اکٹھا کر کے نمائش کا اہتمام کیا گیا۔ جب اپریل ۱۹۹۲ء میں میں الحمرا گیا تو ہزاروں کی تعداد میں امریکہ، یورپ اور دیگر ممالک سے سیاح (Tourists) کی کثیر تعداد دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جس سے الحمرا کی جدید دور میں بھی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

قرطبہ کے فن تعمیر نے نہ صرف غرناطہ بلکہ دنیا کے دیگر شہروں کو بھی متاثر کیا۔ خاص طور سے وہ دریا جو قرطبہ کے شہر کے درمیان سے گزرتا ہے۔ اس دریا کا نام قائد الکبر (Guadalaquivir) ہے۔ اس دریا کے دونوں کناروں کو عبدالرحمٰن اول نے پتھروں سے مضبوط کرایا تھا۔ اور کناروں پر بیٹھنے کے لئے پتھروں کے بنچ و کرسیاں تعمیر کروائیں جو کہ اب بوسیدہ حالت میں ہیں۔ اسی طرز پر بعد میں لندن شہر کے درمیان دریائے ٹیمز (Thames) کو تعمیر کیا گیا۔ ایسے ہی پیرس میں شہر کے درمیان دریا کے کنارے مضبوط کئے گئے۔ اسی طرح دنیا کے دیگر شہروں کے درمیان میں دریا کی مناسبت سے فن تعمیر کو فروغ دیا گیا۔ جدید دور میں بھی اسی طرز شہر کو بہتر سمجھا جاتا ہے۔

عبدالرحمٰن اول نے اس دریا پر بہترین محرابوں والا پل تعمیر کروایا۔ عیسائی مورخین اس پل کو رومیوں کی تخلیق ثابت کرتے ہیں۔ اگرچہ تاریخی شواہد اس سلسلے میں نہیں ملتے۔ اگر فن تعمیر کو مد نظر رکھا جائے تو پل کے دریا کے اندر ستونوں کے پتھر قرطبہ جامع مسجد کے بیرونی پتھروں سے ملتے ہیں۔ پھر مسجد کے بیرونی دروازوں کی محرابوں کی ساخت اس پل کی محرابوں سے ملتی ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ پل مسجد کے رخ پر بنایا گیا ہے۔ یعنی شہر کے ایک حصے کو مسجد کے قریب آ کر دوسرے حصے سے ملا دیا گیا۔ ان تمام باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ یہ پل بھی عبدالرحمٰن اول نے تعمیر کروایا۔

یہ تو وہ یادگاریں ہیں جن کو کسی حد تک محفوظ کر لیا گیا ہے۔ لیکن ایسی بہت سی یادگاریں ہیں جن کو ابھی تک محفوظ نہیں کیا گیا۔ مثلاً میں جب غرناطہ سے قرطبہ بذریعہ بس سفر کر رہا تھا تو راستے میں میں نے دو مختلف مقامات پر بلند پہاڑیوں پر مسجدوں کے مینار دیکھے دور سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان کے فن تعمیر بھی الحمرا اور قرطبہ کی طرح ہیں اور ان کو بھی گرجوں میں تبدیل کر دیا گیا ہو گا۔ دور سے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان عمارات کو قدرت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے اور ان کے دیکھ بھال کے انتظامات نہیں ہو سکے۔ شاید اس کی وجہ فنڈز کی کمیابی یا مذہبی تعصب ہو۔ ایسے ہی تین مقام میں نے قرطبہ سے ملاگا تک کے سفر کے دوران دیکھے۔ سنا ہے کہ جنوبی سپین میں زیادہ تر ایسے مقامات ہیں جن کی دیکھ بھال کے لئے کچھ نہیں ہو

رہا۔ مسلم حکومتوں کو اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھانا چاہیئے۔

اسلامی سپین کو آجکل بھی اندلس (Andalusia) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ اسی بات کا تسلسل نظر آیا جیسا کہ ابن خلدون اور دوسرے مورخین کی کتابوں میں اس کو اندلس کے نام سے تحریر کیا گیا۔ قرطبہ اور غرناطہ کے علاوہ اور بڑے شہر ہیں جن کے نام یہ ہیں مالاگا، قادس، قاصہ دی صل، المیریہ، جارر الفرنتر، ارکس الفرنتر، عبیدہ، بیزہ اور زین۔ یہ تمام شہر مسلم فن تعمیر کے شاہکار ہیں سپین کے آجکل ۱۷ صوبے ہیں اور اس کا سب سے بڑا صوبہ اندلسیہ ہے جو کہ پورے جنوبی سپین پر محیط ہے۔ اس طرح طلبہ و طالبات کے ذہن میں یہ بات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ شاید اسلامی سپین کی سرحدیں اسی صوبے تک محیط تھیں۔ تاریخی شواہد سے یہ بات ثابت ہے کہ آٹھویں صدی سے لے کر پندرہویں صدی عیسوی تک یعنی ۷ سو سالوں تک نہ صرف پورا سپین مسلمان کے ماتحت تھا بلکہ اس کی سرحدیں جنوبی فرانس تک پھیلی ہوئی تھیں۔[۹] (جہاں ہر طور (Tours) کا شہر اب بھی اس کی یاد دلاتا ہے)۔ پرتگال، سسلی اور اٹلی کے کچھ حصے مسلمانوں کے زیر حکومت رہے ہیں۔ جدید خطوط پر اس نہج پر مزید تحقیق ابھی ہونی باقی ہے جس پر بعد میں تحریر کیا جائے گا۔

عیسائی مورخین جو قرطبہ اور الحمرا کا ذکر کرتے ہیں تو وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے یہ فن تعمیر رومیوں اور عیسائیوں سے لیا۔ اس طرح کی باتوں سے وہ یہ تاثر دیتے ہیں جیسے کہ مسلمانوں کا بہت کم اثر ہو۔ میں اس تاریخی بحث میں الجھنا نہیں چاہتا۔ صرف ایک بات کر کے اس مضمون کو ختم کروں گا۔ وہ سپین کی جدید تہذیب کے بارے میں ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ جدید سپین کی تہذیب اور زبان پر کس دور کے زیادہ تر اثرات نظر آتے ہیں؟ تو اس کا جواب صرف اور صرف مسلم تہذیب ہی نظر آتا ہے۔ خاص طور سے ہسپانوی زبان پر عربی دور کے اثرات۔ اگرچہ الفاظ کو عیسائی مفکرین نے بدلنے کی بہت کوشش کی ہے۔ ان کے ہجے (Spellings) بھی بدل دیئے لیکن سپین کے لوگوں کی زبانوں پر جو انداز گفتگو (Pronunciation) چڑھا ہوا ہے جیسا کہ عربی لفظ مئة یعنی ایک صد۔ اس کو ہسپانوی زبان میں ایک ہزار کے لئے استعمال کیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ ان باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سپین پر عربی آثار بہت گہرے ہیں جن کو مٹایا نہیں جا سکتا۔ معاشرے کو بدلا تو جا سکتا ہے لیکن اس کی زبان میں سے مسلم اثرات کو نکالا نہیں جا سکتا یہ موضوع بھی بہت وسیع ہے جس پر پھر کبھی لکھیں گے۔

یورپ نے غرناطہ اور قرطبہ کے شہروں کے طرز تعمیر سے بہت سبق سیکھا اور مختلف یورپی ممالک نے اپنے اپنے جغرافیائی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے ان شہروں کی طرز پر اپنے شہر تعمیر کئے۔ لیکن معاشرے جدید تعمیر کئے جن سے انسانی مساوات کی جھلک ملتی ہے۔

اس طرز تعمیر کو دنیا کے مختلف مسلم ممالک نے بھی اپنے اپنے انداز میں اپنایا۔ مثلاً مراکش، الجزائر، تیونس کی مساجد زیادہ تر اسی طرز پر ہیں۔ یعنی ایک مسجد میں ایک بڑا مینار اور چھت کی تعمیر میں کندہ شدہ لکڑی کا استعمال وغیرہ وغیرہ۔ پاکستان اور ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں نے بھی مسجدوں اور محلات میں پتھروں اور اینٹوں کے استعمال کو قرطبہ اور غرناطہ سے لیا۔ غرناطہ میں چوڑی اور بڑی اینٹ کے استعمال کو سلاطین دہلی نے اپنایا اور اپنی عمارات اور مقبروں میں استعمال کیا۔ قرطبہ کی چھوٹی اینٹ کے استعمال کو مغل بادشاہوں نے اپنایا اور اپنے قلعوں، محلات اور مسجدوں میں استعمال کیا۔ لیکن اپنے اپنے نظریاتی اور جغرافیائی حالات کی بنا پر اس میں تبدیلیاں بھی کیں۔ مثلاً قرطبہ اور غرناطہ میں ایک مسجد میں صرف ایک ہی بڑا مینار ہوتا تھا۔ اس ایک مینار کے انداز کو مراکش، اور شمالی افریقہ میں تو اپنایا گیا۔ لیکن پاکستان اور ہندوستان میں اس کو زیادہ اپنایا نہیں گیا۔ زیادہ تر مسجدوں میں ۲ یا ۴ مینار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ جامع مسجد دہلی کے دو بڑے مینار ہیں لیکن بادشاہی مسجد لاہور کے چار مینار ہیں جس کو بادشاہ اورنگزیب نے سترھویں صدی عیسوی کے آخر میں تعمیر کروایا۔ اس طرح کے فرق اور امتزاج سے ہی ہر ملک کی اپنی انفرادیت اور تشخص ابھر کر سامنے آتا ہے۔ جو کہ اسلام کی روح کے عین مطابق ہے۔

اس لئے پیغمبر اسلام نے جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مسجد نبوی تعمیر کروائی تو کوئی خاص فن تعمیر کی طرف زور نہیں دیا بلکہ نظریاتی پہلو پر زیادہ زور دیا یعنی کہ مسجد میں منبر و محراب ہونے چاہیں۔ منبر اس لئے کہ کھڑا ہو کر امام خطبہ دے سکے۔ محراب اس لئے کہ اس میں کھڑا ہو کر امام صاحب امامت کروا سکیں۔ پھر محراب کا رخ خانہ کعبہ (مکہ) کی طرف ہونا چاہئے تاکہ مسلمان ذہنی طور پر محسوس کریں کہ وہ اللہ پاک کے گھر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور پھر مسجد کا حال اور دالان ایسے ہونے چاہئیں جس میں مسلمان صف بندی کر سکیں اور باجماعت نماز ادا کر سکیں۔ یہ بنیادی باتیں ہیں جن کا تعمیر میں خیال رکھنا چاہئے۔ باقی فن تعمیر پر حضور اکرم ﷺ نے زور نہیں دیا کہ وہ کیا ہونا چاہئے؟ اور یہ ضروری بھی تھا۔ چونکہ اسلام ایک بین الاقوامی مذہب ہے جس کا دعویٰ ہے کہ اس نے تمام کرہ ارض پر پھیلنا ہے بلکہ حضور اکرم ﷺ کے

ارشاد کے مطابق اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک اسلام کی سچی دعوت تمام کرہ ارض کے انسانوں کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے لے گی یعنی ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ دنیا کے تمام لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور کوئی نصرانی' یہودی' ہندو یا کوئی اور مذہب کا پیروکار نہیں رہے گا یعنی وہ سب اسلام کی حقانیت مان کر مسلمان ہو جائیں گے کافی عرصے کے بعد ظہور قیامت ہو گا۔ یہ تبھی ممکن ہے کہ اگر ہر ملک کے عوام کو اختیار دیا جائے کہ وہ اسلام کے بنیادی ارکان کو مدنظر رکھ کر اپنی اپنی سوچ کے مطابق انسانی اقدار کو فروغ دیں۔ یہ کوشش نہ کی جائے کہ اسلام کے کسی خاص ماڈل کو ہی دنیا کے تمام ممالک اپنائیں۔ ہر معاشرے کو اپنے مزاج کے مطابق اسلام کے بنیادی دائرے میں رہتے ہوئے' ترقی کرنی چاہئے۔ اس میں زبردستی کے کسی عنصر کو شامل نہیں کرنا چاہئے۔ ہر معاشرے کو اجازت ہونی چاہئے کہ وہ اسلام کی بنیادی تعلیمات پر قائم رہ کر اپنے اپنے مزاج کے مطابق معاشرہ تعمیر کریں جس سے اس معاشرے کی شخصیت اور اس کا بین الاقوامی انسانی جذبہ کا اظہار ہو۔

اسلامی سپین اور سسلی (Sicily) کے مفکرین نے ایک اور بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا' وہ تھا یونانی زبان سے افلاطون' ارسطو اور دیگر مفکرین کی تحریروں کے عربی تراجم۔ اس سے ان عربوں کی مذہبی آزاد خیالی ظاہر ہوتی ہے اور مغربی اور عیسائی مفکرین نے ان عربی تراجم سے ان کے تراجم لاطینی زبان میں کیے۔[۱۰] اس طرح اسلام کے نظریات اور قدیم یونان کے نظریات یورپ کی درسگاہوں میں منتقل ہو گئے۔ الفارابی' الکندی اور دیگر مسلم مفکرین کی کتابوں کے تراجم آٹھویں صدی عیسوی میں ہوئے۔[۱۱] یہ سلسلہ بارہویں صدی عیسوی بلکہ بعد تک بھی چلتا رہا۔ پھر لاطینی زبان چونکہ پورے یورپ کی مذہبی یعنی عیسائی زبان سمجھی جاتی تھی جس کا سربراہ کلیسائے یورپ پوپ پال تھا اور نئی لاطینی زبان کے ماہرین انگلستان کی درسگاہوں میں بھی پڑھاتے تھے۔ اسی لئے انیسویں صدی کے آخر تک انگلستان کی درسگاہوں میں لاطینی زبان کا جاننا اعلیٰ تعلیم کے لئے لازمی تھا۔[۱۲]

یورپی مورخ اس حقیقت کو ایک طریقہ سے تسلیم کرتے ہیں وہ یہ کہ یورپ میں اس وقت تحریک احیائے علوم چل رہی تھی جو کہ قدیم یونانی علوم کا احیا تھا تو اس دوران انہوں نے بعض مسلم مفکرین کی تحریروں سے استفادہ حاصل کیا' اس طرح خوبصورت انداز میں وہ مسلم نظریات کو قبول کرنے سے پہلوتہی کرتے ہیں۔ اگر ان کی بات کو سچ بھی مان لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ تحریک احیائے علوم سپین میں

مسلمانوں کی آمد کے بعد کیوں شروع ہوئی پہلے کیوں نہیں ہوئی؟ ہوا یوں ہی کہ مسلم نظریات کی روشنی میں عیسائی مفکرین پر اس قدر اثر ہوا کہ انہوں نے عیسائیت سے بھی بغاوت شروع کر دی۔ یعنی ان کے مذہبی نظریات بھی متزلزل (Shake) ہو گئے۔ یہ کوئی پہلی مثال نہیں بلکہ برصغیر پاک و ہند میں بھی پندرہویں و سولہویں صدی عیسوی میں بھی ایسا ہی ہوا۔ مسلم صوفیاء کا ہندو مذہب پر اس قدر اثر ہوا کہ ان کے بعض جوگی (Monks) اپنے مذہب کو چھوڑ گئے۔ لیکن اسلام کو بھی قبول نہیں کیا بلکہ ایک نیا مذہب ایجاد کر دیا جیسا کہ سکھ مذہب یعنی گورونانک اور بھگت کبیر یا۔ انہوں نے اس مذہب کو سولہویں صدی عیسوی میں ایجاد کیا نہ صرف یہ بلکہ بعض مسلم بادشاہوں (جیسا کہ جلال الدین اکبر کے ساتھ ہوا) کے نظریات بھی آزاد ہو گئے اگرچہ انہوں نے اسلام کو چھوڑا نہیں لیکن سکھوں کی سرپرستی ضرور کی۔ اس طرح مغل شہنشاہوں نے سکھ اور ہندو مذہب کے پیروکاروں کو فوج میں منصبدار کے عہدوں پر فائز کیا۔ یہ بات الگ ہے کہ ان کی تعداد مسلمانوں کے مقابلے میں بہت کم تھی۔

یہی سپین میں ہوا کہ پندرہویں و سولہویں صدی عیسوی میں عیسائی برائے نام رہ گئے دراصل انہوں نے اسلام کے نظریات کو قدیم یونانی علوم کے نام پر اپنا لیا۔ پاپائیت کا دور ختم ہو گیا اور انگلستان، جرمنی، فرانس اور دیگر یورپی ممالک میں قومی چرچ قائم ہو گئے۔ [۱۳]

جدید ایجادات میں بھی اسلامی سپین نے یورپ کے اندھیروں کو اجالا بخشا۔ مغربی مورخین اسلامی سپین کے مسلم باسیوں کو مورس (Moors) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ مورس ہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے یورپ میں کاغذ ایجاد کیا۔ [۱۴] فن مصوری کا آغاز بھی انہوں نے ہی کیا۔ [۱۵] جنگوں میں اسلامی سپین کی فوجوں نے ہی سب سے پہلے توپ کا بارود (Gun Powder) استعمال کیا۔ [۱۶] ان کی تہذیبی برتری کا یہ عالم تھا کہ:

They were probably the most enlightened people of that age.[17]

(ترجمہ:- وہ شاید اس دور کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ لوگ تھے)

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جدید مراکش دراصل پرانے اسلامی سپین کے مورس باشندوں پر مشتمل ہے اور ان کے سلاطین اور بادشاہوں کا تعلق بھی سپین سے ہی ہے۔ [۱۸]

سپین میں اسلامی حکومت کے خاتمے کے ساتھ مسلم آبادی کو ایک یورپی عیسائی منصوبے کے تحت ختم

کیا گیا۔ لوگوں کو بھوکا مارا گیا۔ زندہ درگور کر دیا گیا۔ جلاوطن کر دیا گیا یا لوگوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ ہجرت کر کے مراکش، تیونس، لیبیا اور الجزائر چلے جائیں۔

جب یہ کچھ سولہویں اور سترہویں صدی میں سپین کے مسلمانوں کے ساتھ ہوتا رہا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دیگر ملکوں کے مسلمان حکمرانوں نے ان کے لئے کیا کیا؟ حقیقت میں انہوں نے کچھ نہیں کیا، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ عرب اور عجم پر ترک حکمران اپنی سلطنت کے قیام مین مصروف تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں مغل حکمران بھی اپنی حکومت مستحکم کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ اور کوئی مسلم قوت نہ تھی جو اسلامی سپین کی مدد کے لئے آ سکتی۔ جب ترک اور مغل حکمران اپنی داخلی پالیسی میں مشغول تھے تو عیسائیوں کو موقع مل گیا کہ وہ جو چاہیں سپین کے مسلمانوں کے ساتھ کریں۔ اور اس کا شکار تو پہلے سپین کے مسلم حکمران ہوئے اور ان کی مدد کو کوئی مسلم حکمران نہ آیا۔ پھر اس اسلامی حکومت کے خاتمے کے بعد جب وہاں کے مسلمان عوام، امراء، علماء اور صوفیاء کی باری آئی تو ان کی چیخ و پکار کو کوئی سننے والا نہ تھا وہ تو نہتے تھے اور ان کے خلاف پورا یورپ متحد ہو کر ظلم و ستم کی انتہا کرتا رہا۔

## حوالہ جات

۱۔ منٹگمری واٹ، A History of Islamic Spain، اڈنبرا، ۱۹۶۷ء، ص ۹۔

۲۔ برنارڈ لیوس، Islam in History، لندن، ۱۹۷۳ء، ص ۱۶۰۔

۳۔ ڈونلڈ میکانزے، The Khalifat of the West، لندن، ۱۹۱۱ء، ص ۷۔

۴۔ ایضاً۔

۵۔ ایضاً۔

۶۔ ایضاً۔

۷۔ جبرلین داؤز، الاندلس آف اسلامی سپین، نیویارک، ۱۹۹۲ء، ص ۱۲ - ۲۵۔

۸۔ یورپی مورخین براہ راست اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے لیکن ان کی کتابوں کا اگر اس مضمون کی روشنی میں مطالعہ کیا جائے تو یہ اخذ کرنا آسان ہو گا کہ انہوں نے اس احیاء (Renissance) کا آغاز اسی سن سے کیا ہے جس سال سپین پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا۔ یعنی سپین پر عیسائی قبضہ ۱۴۹۲ء میں

ہوا اس لئے جی ایم پیٹرز (G.M. Patters) نے اپنی گیارہ جلدوں والی کتاب کی جلد اول کا آغاز اسی سن سے کیا۔ حوالہ کے لئے ملاحظہ کریں۔ جی۔ ایم پیٹرز'

'The New Cambridge Modern History: The Renaissance 1493-1520 جلد اول' کیمبرج' ۱۹٦۷ء' ص ۹۵ – ۱۲٦۔

۹۔ میکانزلے' بحوالہ سابقہ' ص ٦ – ۷۔

۱۰۔ نارمن دانیال' 'The Arabs and Medieval Europe' لندن' ۱۹۷۹ء' ص ۲۱۔

۱۱۔ ایضاً' ص ۱٦۴۔

۱۲۔ جے ڈی فیج' 'The Cambridge History of Afried' کیمبرج' ۱۹۷۸ء۔

۱۳۔ نارمن دانیال' بحوالہ سابقہ' ص ۱۲ – ۱۳۔

۱۴۔ میکانزلے' بحوالہ سابقہ' ص ۷۔

۱۵۔ ایضاً۔

۱٦۔ ایضاً' ص ۷ – ۸۔

۱۷۔ ایضاً' ص ۸۔

۱۸۔ ایضاً' ص ۱۰۔

# ادارہ کی مطبوعات

| | | |
|---|---|---|
| ۱- پاکستان کا قدیم رسم الخط اور زبان | رشید اختر ندوی | ۳۰۰ روپے |
| ۲- گفتار قائداعظم | مرتبہ احمد سعید | ۶۰ روپے |
| ۳- فاطمہ جناح، حیات و خدمات | ڈاکٹر آغا حسین ہمدانی | ۸۰ روپے |
| ۴- حیات قائداعظمؒ: چند نئے پہلو | احمد سعید | ۳۰ روپے |
| ۵- مولانا عبیداللہ سندھی کی سرگذشت کابل | مرتبہ غلام مصطفیٰ خان | ۴۰ روپے |
| ۶- اسلام کی انقلابی علمی تحریک | عبیداللہ قدسی | ۲۰ روپے |
| ۷- جمعیت العلماء ہند- دستاویزات (۲ جلدیں) | مرتبہ پروین روزینہ | ۱۲۵ روپے |
| ۸- کتابیاتی اشاریہ پاکستان ۱۹۷۹ء | مرتبہ شفیع النساء | ۵۰ روپے |
| ۹- خاکسار تحریک اور آزادی ہند | مرتبہ ڈاکٹر اے- ڈی مفطر | ۱۳۰ روپے |
| ۱۰- کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد | مرزا شفیق حسین | ۱۰۰ روپے |
| ۱۱- قائداعظمؒ اور راولپنڈی | منظور الحق صدیقی | ۳۰ روپے |
| ۱۲- پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار | ایچ بی خان | ۱۲۵ روپے |
| ۱۳- جنگ آزادی کے اردو شعراء | محمود الرحمان | ۱۳۰ روپے |
| ۱۴- آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس (۲ جلدیں) | مرتبہ ڈاکٹر آغا حسین ہمدانی | ۲۰۰ روپے |
| ۱۵- قائداعظمؒ کے رفقاء سے ملاقاتیں | مرتبہ سید ذوالقرنین زیدی | ۷۰ روپے |
| ۱۶- آہنگ بازگشت | محمد سعید | ۱۱۰ روپے |
| ۱۷- سفرنامہ ابن بطوطہ | مترجم پیرزادہ محمد حسین | ۷۵ روپے |
| ۱۸- آزاد کشمیر ایک سیاسی جائزہ | مرزا شفیق حسین | ۲۵۰ روپے |
| ۱۹- پیر صاحب مانکی شریف | وقار علی شاہ | ۷۰ روپے |
| ۲۰- وارث شاہ: عہد اور شاعری | عذرا وقار | ۴۵ روپے |